R. No. 2136/57

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

نمبر فون ...

قیمت فی پرچہ ...

سالانہ چندہ ... روپیے

جلد ۲۴ - شمارہ ۳	ایڈیٹر :- آل احمد سرور	۱۵ جنوری ۱۹۶۵ء

اداریہ

حکومت ہند توجہ کرے

تعجب ہے کہ ابھی تک ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کی مکمل رپورٹ شایع نہیں ہوئی۔ چند تختے نکلے ہیں جن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہماری کل آبادی ۱۹۶۱ء میں کیا تھی اور مختلف مذاہب کے ماننے والے ہمارے ملک میں کس تعداد میں ہیں۔ لیکن زبانوں کے متعلق ابھی تک اعداد و شمار شایع نہیں ہوئے۔ جب کبھی کسی زبان کے بولنے والوں کی تعداد کا ذکر آتا ہے تو ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے اعداد پیش کیے جاتے ہیں۔ گویا ۱۹۶۵ء میں ہمیں چودہ برس پہلے کے حالات کے مطابق فیصلے کرنے ہوتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے یہاں مردم شماری کا طریقہ ابھی مکمل طور پر سائنٹفک نہیں ہو سکا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ابتدائی اسکولوں کے معلموں اور کچہری کے ملازموں سے یہ کام جس طرح لیا گیا ہے وہ قابل اطمینان نہیں کہا جا سکتا۔ پھر بھی چار سال ہونے آئے ابھی تک مردم شماری کا محکمہ ۱۹۶۱ء کے اعداد کیوں شایع نہیں کر سکا۔ اردو دوستوں کو خاص طور سے ان اعداد کا انتظار ہے۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں بہت سی کوتاہیاں رہ گئی تھیں۔ دیکھنا ہے کہ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری حقیقت سے کتنی قریب ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس ضروری کام میں دفتری نظام اب مزید تاخیر نہ کرے گا۔

دارالمصنفین کی طلائی جوبلی

۲۰، ۲۱ فروری کو دارالمصنفین اپنی طلائی جوبلی منا رہا ہے۔ اس ادارے نے ہندوستان میں اردو زبان کی اور علوم اسلامیہ کی بڑی خدمت کی ہے۔ اس نے شبلی کی علمی روایت کو قائم رکھا ہے۔ اس نے تاریخ ہند پر قابل قدر مواد فراہم کیا ہے۔ اس نے اپنے گرد چند مخلص کارکن جمع کر دیے ہیں، جو گا

رسالہ "معارف" اردو کے رسالوں میں اپنے علمی معیار کی وجہ سے ایک بلند درجہ رکھتا ہے۔ یہ جشن ایک علمی اجتماع بھی ہوگا جس میں دارالمصنفین شبلی اور سید سلیمان ندوی کے علمی کارناموں کی اہمیت کو بھی واضح کیا جائے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ اس جشن کے بعد دارالمصنفین کی افادیت کو بڑھانے اور اس کے مستقبل کو روشن بنانے کے لیے حکومت اور عوام دونوں اور متوجہ ہوں گے۔

سیر بین

چارلی چیپلن کا نام کس نے نہ سنا ہوگا۔ حال میں اس کی سوانح عمری شایع ہوئی ہے۔ اس کے ایک مخالف کو شکایت یہ ہے کہ اس سوانح عمری میں چارلی پر چیپلن غالب ہے۔ چارلی کا تصور کیجیے تو ہمارے سامنے ایک مسخرہ سا انسان آتا ہے۔ جس کی چال بے ہنگم ہے، جس کی پتلون ڈھیلی ڈھالی ہے،

اس شمارے میں

جس کے جوتے ستم رسیدہ ہیں اور جو خود کچھ بھی کرے ایک نئی مصیبت اپنے سر مول لے لیتا ہے۔ پھر اس مصیبت میں اس کی شکل ایسی ہوتی ہے کہ بے ساختہ ہنسی آتی ہے مگر دل میں اس کے لیے ایک ہمدردی کی لہر بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس چارلی نے ہمیں (GOLD-NASH) اور (SHOW BOAT) جیسی عظیم تصویریں دیں۔ رفتہ رفتہ چارلی پر چیپلن کا عکس پڑنے لگا اور (MODREN TIMES) اور (CITY LIGHTS) جیسی تصویریں وجود میں آئیں۔ یہاں تک کہ (GREAT DICTATOR) اور (MONSIUR VERDOUN) جیسی تصویروں میں چیپلن چارلی پر غالب آگیا۔

مگر ان حضرات کو یہ معلوم نہیں کہ چیپلن چارلی کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ چیپلن بہت بڑا فن کار ہے۔ اس نے جدید دور کی میکانیکی زندگی اور سرمایہ دارانہ سماج پر ایسی بھرپور طنز کی ہے کہ وہ بیسویں صدی کے ممتاز فنکاروں میں گنا جاتا ہے۔ امریکہ نے جب اس پر یہ پابندی لگائی کہ وہ امریکہ میں داخل نہیں ہو سکتا، تو امریکہ نے بہت برا کیا۔ چیپلن کا کچھ نہیں بگڑا، امریکہ رسوا ہو گیا۔ اس کی سوانح عمری کے مطالعے سے ایک بڑے فن کار کی زندگی کے اہم اثرات کا علم ہوتا ہے اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں پر ہمارا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

دسمبر کے (ENCOUNTER) میں اسٹیفن اسپنڈر کی مشہور مارکسی نقاد لیوکاکس سے ایک ملاقات کی روداد شائع ہوئی ہے۔ لیوکاکس کو کٹر مارکسی راہ راست سے ہٹا ہوا سمجھتے ہیں لیکن دراصل اسی نے مارکسی جمالیات کو رودار اور باوقار بنایا ہے۔ اس لیوکاکس نے جیمس جوائس پر اعتراض کیا ہے وہ کہتا ہے کہ جوائس جس ذہنی رو کی ایمانداری سے تصویر پیش کرتا ہے وہ چنداں اہم نہیں ہے۔ اصل اہمیت فرد اور اس کے سماج میں رشتے کی ہے۔ ذہن کی رو کے پیچھے پھرنا کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ ہمیں زندگی کے متعلق کیا بصیرت عطا کرتا ہے اور افراد کے ذریعے سے ایک دور کی روح کے متعلق ہمیں کیا بتاتا ہے۔ اس نے ایوان ڈینی سووچ کی زندگی میں ایک دن کی تعریف کی ہے جس میں جذباتی انداز میں اسٹالن کے دور کے ایک جیل خانے کی حیثیت ایک تصویر نہیں بلکہ جیل خانے میں اچھے اور برے افراد کے ردعمل کے ذریعے سے عام انسانوں کی حالت دکھائی ہے۔ کاش نئی نسل کے کچھ ادیب جو نئی انفرادیت کی تلاش کر کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں لیوکاکس کے ان خیالات پر غور کریں۔

پنجاب کا اردو زبان کے عظیم شاعر مرزا غالب کی یاد میں ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد کرے گا

پٹیالہ ۔ ۴ جنوری۔ گیانی لال سنگھ ڈائرکٹر جنرل محکمہ السنہ پنجاب، پٹیالہ نے کہا کہ اردو زبان کے عظیم شاعر مرزا غالب کی یادگار منانے کے لیے اور انھیں گلہائے عقیدت پیش کرنے کے لیے مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۶۵ء کو پٹیالہ میں ایک عظیم الشان مشاعرہ کا اہتمام کیا جا رہا ہے جس میں پنجاب کے بلند پایہ حضرات کو مدعو کیا جائے گا۔

یاد رہے کہ سارے ملک میں حضرت غالب کی صد سالہ برسی ان تاریخوں میں منائی جا رہی ہے۔ (آواز ہند ۔ نئی دہلی)

ہندی کے فروغ کے ساتھ ساتھ اردو کیوں نظر انداز کی جائے؟

لکھنؤ ۲۸ دسمبر۔ اتر پردیش کمیونسٹ پارٹی کے آفس سکریٹری شری شیو کمار مسر نے ایک اخباری بیان میں اس بات پر سخت تشویش ظاہر کیا ہے کہ ریاستی حکومت نے ۲۶ جنوری ۱۹۶۵ء سے تمام کام ہندی میں کیے جانے کا فیصلہ کر کے اردو داں طبقہ کو نظر انداز کیا ہے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ ہندی کی ترقی و توسیع کے ساتھ ساتھ ایسے بچوں کو جو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں انھیں اس کا موقع نہ دینا جمہوری روایات کے سخت منافی ہے۔

(قومی آواز ۔ لکھنؤ)

ہند و پاک میں فارسی ادب کے متعلق تاریخ کی ترتیب

لاہور ۔ ۲۸ دسمبر۔ پنجاب یونیورسٹی، برصغیر ہند و پاک میں فارسی ادب کی تاریخ مرتب کر رہی ہے۔ توقع ہے کہ یہ کام پانچ سال تک مکمل ہو جائے گا۔ تاریخ تین جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ پہلی دو جلدوں میں مغلیہ دور سے فارسی ادب کے متعلق مواد ہوگا۔ مغل تا جہاں اور اورنگ زیب کی وفات کے بعد سے موجودہ دور تک کے فارسی ادب کی ترقی کا ذکر ہوگا۔ حالات زندگی۔ لوک کہانیاں، شاعری، افسانے اور جغرافیائی حالات اور معلومات اور تراجم اور اس دور کے سرکاری خطوط شامل ہوں گے۔ اس کے علاوہ قرآن اور اس کی تفسیر بھی دی جائے گی۔ اس سلسلے میں وقت کی ترتیب کا خاص خیال رکھا جائے گا لیکن مشہور شعرا مثلاً امیر خسرو، فیضی، بیدل، غالب اور اقبال کا ذکر ایک الگ باب میں ہوگا۔ ہر جلد میں اس دور کے سیاسی اور سماجی حالات کا مختصر خاکہ پیش کیا جائے گا۔ یونیورسٹی نے فارسی ادب کی ترقی کے لیے دونوں صوبوں کے ادبی شہ پاروں کو بھی شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہر جلد میں ادبی مراکز مثلاً دہلی، آگرہ اور لاہور وغیرہ اور فارسی ادب میں ہندوؤں کے حصے کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

(آفتاب ۔ سری نگر)

محمد انصار اللہ نظر

گویا ملیح آبادی

سید محسن علی محسن نے گویا کا تعارف اس طرح کرایا ہے:

"حسام الدولہ فقیر محمد خاں بہادر رسالہ دار مرحوم
گویا خلف بلند خاں قوم آفریدی ساکن کوہلبار مقیم
لکھنوی صاحب دیوان شاگرد رشید خواجہ وزیر"
(سراپا ص۱)

اس تعارف میں ان کو "مرحوم" کہنا واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ تحریر عبارت کے وقت تک گویا کا انتقال ہو چکا تھا لیکن میرزا قادر بخش صابر کا بیان اس سلسلہ میں پیچیدگی پیدا کرتا ہے جن کے الفاظ یہ ہیں۔

"لکھنؤ میں زبدۂ امرائے نامی اور قدوۂ کبرائے گرامی
سے شمار کیا جاتا ہے اس سواد میں ...... اس
سخی عالی مرتبہ کا وجود نادر المغتنمات سے ہے"
(گلستان سخن، گلستان ص۴۰۳)

ظاہراً اس تضاد کے دو اسباب ہیں اول یہ کہ صابر جو دہلی تذکرہ نویس تھے گویا کے انتقال سے ناواقف رہے ہوں دوم یہ کہ سراپا سخن میں لفظ "مرحوم" کا اضافہ بعد میں کیا گیا ہو۔

تذکرہ صبح گلشن (تالیف ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۶ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تالیف تک گویا کے انتقال کو تقریباً تیس سال گزر چکے تھے اسی بنیاد پر عالی جناب قاضی عبدالودود صاحب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ گویا "۱۲۶۵ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے ہوں" تو عجب نہیں (تذکرہ شعرا مولفہ ابن امین اللہ طوفان مرتبہ قاضی عبدالودود صاحب مطبوعہ ۱۹۶۸ء، طوفان ص۳۷) رام بابو سکسینہ کا بیان ہے کہ "گویا کا انتقال ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں ہوا" (تاریخ ادب اردو مولفہ رام بابو سکسینہ، اردو ترجمہ، سکسینہ ۲/۲۶۲) اگرچہ اس کے لیے سکسینہ نے کوئی سند پیش نہیں کی ہے لیکن مذکورہ شواہد کی موجودگی میں اس سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی گویا کی وفات سے صابر کی بے خبری یقینی ہے۔

محسن نے گویا کے والد کا نام "بلند خاں" لکھا ہے، دوسرے تذکروں میں بھی یہی نام ملتا ہے (سخن شعرا مولفہ عبدالغفور خاں نساخ، شعرا ص۴۲۲، تذکرہ نادر مرتبہ پروفیسر مسعود حسن رضوی، نادر ص۲۳ وغیرہ) لیکن تعجب ہے کہ ملک اسمٰعیل حسن خاں نے بغیر کسی سند کے ان کا نام "محمد بلند خاں" تحریر کیا ہے (ہماری زبان ۱۵ ۹۴/۴۳) مجھے اس کے سبب کا علم نہیں۔

گویا کی وطنیت کے متعلق تذکروں میں تین مقامات کا نام آتا ہے" اول کوہلبار" (سراپا ص۱ وغیرہ) دوم مرزا گنج (نادر ص۲۳ وغیرہ) اور سوم ملیح آباد (صبح گلشن وغیرہ) قاضی صاحب مدظلہ، اس سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وطن اصلی کوہلبار ہو یا کوئی اور مقام، ملیح آباد سے
ان کا تعلق ثابت ہے اور ان کے اخلاف (جن میں
جناب جوش ملیح آبادی بھی ہیں) یہیں مقیم ہیں"
(طوفان ص۳۲)

ملک اسمٰعیل حسن خاں نے اطلاع دی ہے کہ مرزا گنج اور کنوہلبار (کوہلبار) ملیح آباد کے محلے ہیں، جناب جوش ملیح آبادی کی جائداد اور سکونت مرزا گنج ہی میں تھی، حقیقت یہ ہے کہ گویا اپنے والد کے ہمراہ آکر کوہلبار میں مقیم ہوئے تھے لیکن بعد میں جب لکھنؤ ترک کرنا پڑا تو انھوں نے مرزا گنج میں سکونت اختیار کی۔

گویا کے لکھنؤ آنے کے متعلق ملک اسمٰعیل حسن خاں نے دو روایتیں نقل کی ہیں پہلی یہ کہ غازی الدین حیدر، ٹونک سے گویا کو نواب امیر محمد خاں سے مانگ کر اپنے ساتھ لائے تھے دوسری یہ کہ "فقیر محمد خاں نواب امیر خاں کے لشکر سے تازہ وارد تھے معتمد الدولہ نے سپاہی سمجھ کر تین سو روپے کی اسامی میر علی پناہ بخاری کی دی رسالدار کیا (بحوالہ قیصر التواریخ ۱/۲۹۲) تعجب ہے کہ ان دونوں روایتوں کے تضاد کو محسوس نہیں کیا گیا، اگر غازی الدین حیدر ان کو خود "مانگ کر" لائے تھے تو ان کی کفالت کا بار انھیں خود اٹھانا چاہیے تھا معتمد الدولہ کے ان کو سپاہی سمجھ کر اسامی دینے کا سوال ہی پیدا نہ ہونا چاہیے تھا، ان میں سے پہلی روایت قطعی بے بنیاد ہے خواجہ وزیر نے دیوان گویا سے متعلق اشعار میں انھیں "رفیق جناب نیر اکرم" کہا ہے اور تاریخ مختتم میں ان کو "دوست وزیر با ساختہ معتمدالدولہ" لکھا ہے (بحوالہ طوفان ص۸۰)۔ "با ساختہ" کی ترکیب نہایت واضح طور پر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ گویا کو معتمد الدولہ بہادر سے توسل حاصل ہوا، ۱۲۳۴ھ میں معتمد الدولہ بہادر نواب غازی الدین حیدر کے نائب ہوئے اس وقت گویا لکھنؤ میں "تازہ وارد" تھے

له سراپا سخن کی تالیف ۱۲۶۹ھ سے ۱۲۷۳ھ کے درمیان عمل میں آئی (دستور الفصاحت مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی، ماخذ دستور ص۸) اس کی طباعت کے متعلق یہ عبارت ملتی ہے۔ "یہ کتاب سنہ ۱۲۷۴ھ (۱۸۶۱ء) میں منشی نولکشور نے اپنے لکھنؤ کے مطبع میں جو رکاب گنج میں راجہ بختاور سنگھ کے مکان کے اندر واقع تھا ۳۰۲ م (بقیہ کالم دو پر)

نوٹ بقیہ کالم اول کا: صفحوں پر چھاپ کر شایع کی تھی (دستور ص۱۱) اس کا ایک نسخہ راقم سطور کی نگاہوں سے گزر چکا ہے، سنین کی کتابت میں غلطی ہوئی ہے یہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء ہونے چاہئیں۔

معتمد الدولہ بہادر کی مردم شناس نگاہوں نے گویا کے اوصاف کا
بخوبی اندازہ کر لیا چنانچہ یہ رسالدار مقرر ہوئے۔ گویا نہایت جری
اور غیور شخص تھے، انھوں [نے معتمد] الدولہ بہادر سے نہایت خوبی
سے نباہی، ایک موقع پر جان کی بازی بھی لگادی، اس کا واقعہ
یہ ہے کہ ۱۲۲۲ھ میں نواب معتمد الدولہ بہادر کے مکان میں حکیم واجد
علی خاں کے بیٹے کی شادی کا اہتمام تھا، اس بھیڑ بھاڑ میں ایک
شخص نے نواب پر قاتلانہ حملہ کیا، گویا آڑے آئے حملہ آور کو
انھوں نے قتل کیا لیکن اس معرکہ میں خود گویا کے ہاتھ میں بھی
زخم آیا ناسخ نے تاریخ کہی،

"تاریخ مجروح شدن دست نقیر محمد خاں بہادر"

اس جاں نثاری کے صلہ میں گویا کو خطاب بہادری عطا
ہوا (اس واقعہ کی مزید تفصیلات میں اپنے مضمون "نواب
مرزا حاجی" میں الگ لکھ چکا ہوں)

۱۲۳۳ھ میں غازی الدین حیدر نے بادشاہت کا اعلان
کیا، اس موقع پر معتمد الدولہ بہادر کو بھی ترقی ملی اور وہ وزیر اعظم
ہوئے، ساتھ ہی معتمد الدولہ کے اعزا اور متوسلین کو بھی اعزازات
و مناصب عطا ہوئے۔

"میر افضل علی بانسی والے کا بیٹا میر نذر علی خاں
معتمد الدولہ کا داماد تھا یہ عہد غازی الدین حیدر بادشاہ
میں جرنیلی کے عہدہ پر فائز ہوا نقیر محمد خاں اس کی
نیابت پر مامور ہوئے" (تاریخ اودھ ۴/۱۴۶)

خیال ہے کہ اسی وقت گویا خطاب "نوابی" سے بھی سرفراز
ہوئے کسی تقریب سے ان کو خطاب "حسام الدولہ" بھی عطا ہوا
اس کے صحیح زمانہ کا علم نہیں البتہ ۱۲۳۵ھ میں جب ان کا لڑکا
پیدا ہوا تو ناسخ نے تاریخ کہی اس قطعہ میں ان کو "حسام الدولہ"
کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب ۱۲۳۵ھ سے پہلے
مل چکا تھا

گویا کی زندگی میں بھی نشیب و فراز آئے دو اقتباسات نقل
کرتا ہوں۔

"نصیر الدین حیدر نے جب معتمد الدولہ کو قید کرنا
چاہا تو انھیں ان کا خاص آدمی سمجھ کر کہلا بھیجا کہ ہم
نواب کو قید کرتے ہیں اگر کسی سوار نے تمہارے
گھوڑے پر زین باندھا مجرم سرکار تم ہوگے نقیر محمد
خاں اس وقت مرغ کی بازی دیکھ رہے تھے چپکے
گھر میں چلے گئے" (طوفان ص۲۳)

۱۲۴۳ھ جب نصیر الدین حیدر سے منتظم الدولہ
وزیر گویا سے ناراض ہو گئے ایک وجہ تو یہ ہوئی
کہ انھوں نے وزیر کے زیر دست تاج الدین حسین
خاں کے حق میں کلمات درشت کہے تھے دوسرے یہ کہ جری
آدمی تھے ان کے سامنے ظلم ہوتا تو مظلوم کی پاسداری
کرتے ..... حکم ہوا کہ ...... فوراً شہر سے باہر چلے
جائیں تعمیل کرنی پڑی ۱۲۴۳ھ جلوس میں منتظم الدولہ
معزول ہوئے تو گویا مرزا گنج سے بلوائے گئے
اور عہدہ سابق پر مامور کیے گئے ... نصیر الدین حیدر
کی وفات سے کچھ قبل بھی گویا کا اخراج عمل میں
آیا (طوفان ص۴۸)

نصیر الدین حیدر ۱۲۴۳ھ میں تخت نشین ہوئے، گویا
کے اخراج کا زمانہ ۱۲۴۴ھ اور دوبارہ تقرری کا سال ۱۲۴۸ھ ہوا
نصیر الدین حیدر کا انتقال ۱۲۵۳ھ میں ہوا اس سے کچھ قبل بھی
انھیں لکھنؤ چھوڑنا پڑا لیکن محمد علی شاہ بادشاہ کے عہد میں پھر واپس
آئے۔ ابن امین اللہ طوفان اور منشی کریم الدین نے ان کو رسالدار
لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۵۰ھ اور ۱۲۶۳ھ کے
قریب گویا اس منصب پر فائز تھے۔

گویا نہایت خوش خصال اور رنگین طبیعت انسان تھے۔
اس کا اندازہ خصوصیت سے اس وقت ہوتا ہے جب نواب
منتظم الدولہ کے متعلق ہم گویا کی یہ تحریر دیکھتے ہیں جس میں ان کا ذکر
نہایت احترام سے کیا گیا ہے۔

"ساتویں تاریخ ربیع الآخر کی ۱۲۴۵ھ ہجری میں
نواب منتظم الدولہ بہادر سے اور نصیر الدین حیدر
بادشاہ جہاں پناہ سے کچھ بے مزگی ہوئی اور انھوں نے
کار نیابت سے کنارہ کیا اور تاریخ مداخلت نواب
ممدوح کی لکھنؤ میں بیسویں ذی حجہ ۱۲۴۵ھ ہجری
اور دن غزل کا یکشنبہ ساتویں ربیع الآخر ۱۲۴۹ھ
ہجری تھا چنانچہ مصرعہ اس کی تاریخ کا میر علی اوسط
رشک تخلص نے یوں لکھا ہے مصرعہ

ماندہ دو ہفتہ و دو عالم زدہ شہ بہ

(بستان حکمت دیباچہ)

اتنا ہی نہیں بلکہ نواب منتظم الدولہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے
تو گویا لکھنؤ ہی میں تھے انھوں نے ان کی صحت کے لیے مرغ کے
جوڑے پر ورد ہ بھیجے تھے اکثر نوازش کرتے ... بھی ... گئے
(طوفان ص...)

ان کے عقیدہ کے متعلق منشی کریم الدین کا بیان
بہت دلچسپ ہے۔

"بہت شیعوں نے لکھنؤ میں ان کے ہمراہ محرم ...
میں ... ہے ملنے میں آیا ہے کہ یہ شیعہ مذہب
متعلق ... ہے اکثر مباحثہ شیعوں سے اس کے

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

غزلیں

ثریا محمود ندرت

دلِ حزیں کو میسر تمہارا ساتھ نہیں — جسے حیات میں سمجھوں یہ وہ حیات نہیں
ہے ماہتاب کا چہرہ بھی کچھ اداس اداس — ستم نواز ابھی زندگی کی رات نہیں
سنبھل سنبھل کے رہ آرزو میں اے دل — کہ رنگ و نور کو حاصل یہاں ثبات نہیں
یہ بگڑا ہوا نباہ ہوئی کیسے ملے آخر؟ — ابھی تو ہاتھوں میں میرے تمہارا ہاتھ نہیں
نثارِ شوق کی منزل نہیں ہوں میں ندرت — غم زمانہ سے حاصل مگر نجات نہیں

اعجاز افضل

مرہم زخم صدا ملتا نہیں — ے بھٹکتی ہے کہاں ملتا نہیں
منزلیں ہی منزلیں ہیں ہر طرف — رہگذر کو راستہ ملتا نہیں
آ گئے کس آئینہ خانے میں ہم — کوئی عکس آشنا ملتا نہیں
ہر قدم پر بھیڑ بے دردوں کی ہے — خواب کا کوسوں پتہ ملتا نہیں
اللہ اللہ جام و مینا کا ہجوم — تشنگی کو راستہ ملتا نہیں
ہم ہیں کس انبوہِ انسانی میں آج — کوئی بھی اپنے سوا ملتا نہیں
کج رووں کی کارواں سازی نہ پوچھ — نقش پا سے نقش پا ملتا نہیں

شمسی طہرانی

ابر چھانے لگا ہوش اڑنے لگے میکدے میں وہ مست شباب آ گیا
پینے والوں کی قسمت بدلنے لگی آج گردش میں پھر جام شراب آ گیا

منزل عشق سے غم کے پھیرے بنے ورنہ ہم زندگانی کو مایوس تھے
حسن نے مسکرا کر جو انگڑائی لی دل کی دنیا میں اک انقلاب آ گیا

ہر طرف دین و ایمان ڈگمگانے لگے عقل و مذہب کے لٹنے لگے قافلے
دیر و کعبہ کی بنیاد ہلنے لگی جب کبھی کافرہ پر شباب آ گیا

بعد مدت کے ان سے نگاہیں ملیں دل کی بیتابیاں اور بڑھنے لگیں
بیخودی میرے لب پر سوال آ گیا بیخودی ان کے لب پر جواب آ گیا

امتحانِ محبت کے سب مرحلے تم نے چاہا جسے اس نے طے کر لیے
کامیاب دو عالم وہی ہو گئی جو تری بزم سے کامیاب آ گئی

جلوہ حسن کچھ اس طرح چھا گیا چاندنی رات رنگ پھیکا پڑا
چاند شرما کے بدلی میں چھپنے لگا جب کوئی بام پر بے نقاب آ گیا

جب مرا زہد بھی حاصل کفر تھا اب مرا کفر بھی حاصل زہد ہے
مجھ سے دیر و حرم روٹھ جائیں تو کیا بندگی میں مری انقلاب آ گیا

میری مایوسیاں ان کی مجبوریاں میری رسوائیاں ان کی بیتابیاں
جب جوانی کی راہوں میں دو دل ملے اک قیامت ہوئی اک عذاب آ گیا

سوئے میخانہ شمسی گذر جب ہوا جام و مینا سے آنے لگی یہ صدا
میکدہ جس کا مدت سے تھا منتظر آج وہ رند خانہ خراب آ گیا

چھپرہ میں انجمن ترقی اردو کا قیام

صدر بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے چھپرہ شہر میں انجمن کے قیام کے لیے ایک ایڈھاک کمیٹی مقرر کی ہے جو ممبر سازی کی مہم کو کامیاب بنائے گی اور انتخاب عہدیداران کے فرائض انجام دے گی۔ یہ کمیٹی مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل ہے۔

(۱) پروفیسر حامد چھپروی۔ کنوینر
(۲) پروفیسر مہدی رضوی۔ ممبر
(۳) جناب کرشن پرتاب سہائے ایڈوکیٹ ممبر
(۴) لالہ سرجگ سرن۔ ایڈوکیٹ ممبر
(۵) قمر الدولہ صاحب۔ ایڈوکیٹ ״
(۶) پروفیسر اقبال مقدمی ״
(۷) پروفیسر صمد انصاری ״
(۸) جناب محمد سمیع۔ ایڈوکیٹ ״
(۹) قاضی محمد حسن صاحب ״
(۱۰) نجم الحسن بلگرامی ״
(۱۱) جناب محمد سالم طالب۔ بی۔ اے ممبر
(۱۲) قیوم خاں ״
(۱۳) ضیا الحق صاحب۔ نگرہ۔ ״
(۱۴) نیاز احمد خاں۔ رویل گنج۔ ״
(۱۵) مولوی شمس الضحیٰ صاحب۔ ادلین پور۔ ״

(حامد چھپروی کنوینر ایڈھاک کمیٹی)

اردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن سہسرام

سہسرام اردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن کا سالانہ انتخاب بتاریخ ۲۰ دسمبر سنہ ۱۹۶۴ء عمل میں آیا۔ سکریٹری نے رپورٹ اور حساب کتاب پیش کیا اور سنہ ۱۹۶۵ء کے لیے مندرجہ ذیل حضرات منتخب کیے گئے۔

صدر .... جناب اختر عبد السلام
نائب صدر .... جناب شیخ الدین خاں
جنرل سکریٹری .... جناب عبد الرب
جوائنٹ سکریٹری .... (۱) جناب محمد سرتاج خاں
(۲) سلیم الدین

خازن کی ذمہ داری بھی جنرل سکریٹری کے سپرد کی گئی گیارہ ممبروں پر مشتمل ایک مجلس عاملہ کا انتخاب بھی ہوا۔

(عبد الرب جنرل سکریٹری)

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

امیر حسن نورانی

طائفۂ دزدانِ ادب

آج سے صدیوں پہلے سعدی شیرازیؒ نے گلستان میں ایک حکایت لکھی تھی، کہ عرب کے چوروں کا ایک گروہ پہاڑ کی چوٹی پر ایک محفوظ جائے پناہ میں اقامت گزیں تھا۔ اور قریبی شاہراہ سے جو قافلہ گزرتا، اس کو غارت کرکے پھر اسی چوٹی پر چڑھ جاتا تھا جب اس علاقہ کے حکمراں تک لوگوں کی فریاد پہونچی تو ان کا کسی نہ کسی طرح سدباب ہوا۔ شیخ سعدی کو کیا خبر تھی کہ ہندوستان میں ایک ایسا "ادب چور گروہ" بھی بیسویں صدی میں پیدا ہوگا جو پہاڑ کی چوٹی یا غاروں میں پناہ لینے کے بجائے ہندوستان کی دانش گاہوں کو ملاذی منبع قرار دے گا اور وہیں سے علمی و ادبی ذخیروں پر تاخت و تاراج کرے گا۔ اور اپنے اساتذہ اور اصحاب ادب کے سرمایۂ فکر و فن پر اپنے ناموں کی مہریں لگائے گا۔

یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ ادھر دس سال کے عرصہ میں علمی و ادبی تحقیقات کی شاہراہوں پر بے شمار نااہل شہسوار اپنے گھوڑے دوڑا رہے ہیں جو نہ تو اس راہ کے پیچ و خم سے آشنا ہیں اور نہ ان کا توسنِ تحقیق ان کے قابو میں ہے۔ ظاہر اس حالت میں جو انجام ہونا چاہیے وہ ہو رہا ہے۔

موجودہ زمانہ میں ہندوستان کی دانش گاہوں میں اردو زبان و ادب کے مختلف گوشوں پر ادیبوں اور شاعروں پر تحقیقی کام ہو رہا ہے اور ماضی قریب میں ہو چکا ہے۔ ہر سال سیکڑوں ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں تقسیم ہوتی ہیں اور حالت یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر فضلا کے تحقیقی مقالات ایسے ہوتے ہیں جو ممتحن کی نظروں سے گزرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے متعلقہ دانش گاہوں کے کتب خانوں میں محفوظ ہو جاتے ہیں اور ان کو دنیائے طباعت و نشر کی ہوا کھانا نصیب نہیں ہوتا اور یہ اس لیے کہ ان کی اشاعت کسی طرح قرین مصلحت نہیں قرار پاتی اگر وہ شائع ہو جائیں تو نہ معلوم کتنے دل و دماغ مجروح ہو جائیں اور نہ معلوم کتنے مصنفین اپنی جگر کاوی کے نتائج کو لٹا ہوا پائیں گے۔ چند ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اشاعت کے باوجود نہ کسی دوسرے کے لیے سود مند نہیں ہو سکتے۔

تحقیق کا مطلب اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ عنوان متعلقہ کے تمام ممکن پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے، اس کے متعلق خود ان چیزوں کا سراغ لگایا جائے جو اب تک منظر عام پر نہیں آئی ہیں۔ ان کی چھان بین کرکے صحیح اور غلط میں تمیز کی جائے۔ ٹھوس دلائل سے ثبوت فراہم کیے جائیں، درست نتائج اخذ کیے جائیں، نقد و نظر کے ذریعہ کھرے کھوٹے کو پرکھا جائے معیاری اور تحقیقی مقالہ وہی سمجھا جاتا ہے جس سے ادب و علم میں کوئی اضافہ ہو، انوکھی چیزیں اور مشتبہ حقائق واضح صورت میں سامنے آئیں، مگر افسوس اس کا فقدان ہے، ہاں اس تاریکی میں کبھی کبھی روشنی کی کوئی کرن بھی چمک دکھاتی ہے، اور کچھ واقعی تحقیقی کام سامنے آتے ہیں مگر ان کی تعداد بہت قلیل ہے اس سلسلہ میں اردو ادب کے دوش بدوش فارسی اور عربی ادبیات میں بھی بہت سے فنکار ایسے کھیل کھیلتے نظر آ رہے ہیں اور ان کے یہاں ایک آسانی یہ ہے کہ عربی یا فارسی میں مقالہ لکھنا تو ظاہر ہے ان کے بس کی بات نہیں انگریزی عموماً ذریعہ بنتی ہے اور اس کی آڑ میں بڑے بڑے کارنامے انجام پا جاتے ہیں صرف اتر پردیش کی چند اقامتی یونیورسٹیوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا چند سال کے اندر بہت سے تحقیقی مقالات ہونہار اسکالروں نے پیش کیے اور ان کا دامن ڈگریوں کے گلہائے مراد سے بھر دیا گیا حالانکہ ان میں سے ایک مقالہ سید سلیمان ندوی کی مشہور کتاب عرب و ہند کے تعلقات، کے چند ابواب کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اسی طرح عبدالرزاق کانپوری مرحوم کی البرامکہ اور نظام الملک کے تراجم بھی پیش ہو کر ڈگریوں کے لائق قرار پائے۔ ایک مقالہ کی بنیاد دور [illegible] مصنفین کی تازہ ترین کتاب رہی تھی غالباً اس کا انگریزی ترجمہ کر لیا گیا اور حسب ضرورت کمی و بیشی بھی ہوگی۔

فارسی ادبیات میں ایک یونیورسٹی لیکچرار عربی نے ضرورتاً یا شوقیہ ایک مقالہ پیش کرکے تین سال پہلے ڈگری حاصل کی ہو اور نیشنل کالج میگزین لاہور میں ایک مسلسل شائع ہونے والے مضمون کا انگریزی ترجمہ ہے یہ سلسلہ مضامین غالباً ۱۹۲۳ء یا اس سے قبل شائع ہوا تھا۔ جو ان ڈاکٹر صاحب کے کام آگیا۔

عہد حاضر کے ایک مشہور و ممتاز ادیب و محقق کے پاس ایک سال گزرا ایک مقالہ بحیثیت ممتحن آیا مقالہ طویل تھا پڑھنے کے بعد ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ان ہی ممتحن صاحب کی ایک مشہور کتاب کے کئی صفحے روانی میں صاحب مقالہ کے نوک قلم پر بے کھٹکے آ گئے تھے۔ اتفاق سے مقالہ اردو میں تھا اور لکھنے والے کو کیا خبر تھی کہ یہ جانے گا کہاں؟ یہ بات چوری سے گزر کر سینہ زوری کی حد تک جا پہونچی۔ اس قسم کے متعدد واقعات صرف میرے علم میں ہیں۔ حالانکہ جن اہل علم کو ان سے سابقہ پڑا وہ [illegible] واقف ہوں۔ [illegible] کے بعد بھی عنوان پر ریسرچ کرنا اب ویسا ہی ضروری ہو گیا ہے جیسے کسی زمانہ میں ہائی اسکول کرنا ملازمت کے لیے ضروری تھا اور حقیقت یہ ہے کہ دانش گاہوں کے علاوہ دوسرے اداروں میں بھی تقرری کے وقت پی ایچ۔ ڈی کو قابل ترجیح سمجھا جاتا ہو اس لیے اس کی خواہش ہر طالب علم کو ہوتی ہے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن یہ [illegible] اور بے ربط کام ہوتے رہتے تو ملک و قوم و علم و ادب

اور دیگر علمی و نظری فنون کو فائدہ پہونچے گا یا نقصان؟ یونیورسٹیوں کے درمیان جہاں تک مجھے معلوم ہے اردو، فارسی اور عربی کے سلسلہ میں تو کوئی ایسا رابطہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہاں کس پر کام ہو رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک وقت میں کئی کئی جگہ ایک ہی عنوان پر کئی اسکالر تحقیقی کام کرتے ہیں اور ایک کو دوسرے کی خبر نہیں کیا یہ ضروری نہیں کہ ارباب حل و عقد اس طرف توجہ کریں۔ اور کوئی مشترکہ ماہنامہ جاری کریں جس کے ذریعہ ساری یونیورسٹیوں میں ہونے والے تحقیقی کاموں سے ہر ایک واقف رہے اور اگر کہیں تو ارد و یکسانیت "عنوان" کا معاملہ نظر آئے تو اس پر باہم صلاح و مشورہ کر کے کوئی مناسب راہ نکال لی جائے۔ اسی کے ساتھ ساتھ تحقیقی کام کرنے والوں کی مناسب رہنمائی بھی کی جائے۔

"علاقۂ دندان ادب" ہمارے یہاں دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک کا ذکر کر چکا ہوں اور اب دوسرے کے متعلق بھی کچھ عرض کرنے کی جرأت کروں گا۔ یہ نئے ادیبوں اور نقادوں کے بھیس میں سامنے آیا ہے اور چور دروازوں سے ایوان تحقیق و تنقید میں داخل ہونے کی کوشش میں مصروف ہے۔ بعض کو کچھ کامیابی بھی ہو چکی ہے اور بعض پُرامید ہیں۔ اور ان کی کوشش ہے کہ بلا مشقت مسعود حسن رضوی، قاضی عبدالودود اور امتیاز علی عرشی وغیرہ کی صف میں کھڑے ہو جائیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ بعض قدیم مصنفین کی مطبوعہ کتب و رسائل کی ورق گردانی کر کے ان کی تحقیق کردہ چیزوں کو نئے انداز بیان کے سانچے میں ڈھال کر شائع کریں اور علمی و ادبی دنیا سے خراج تحسین حاصل کریں۔ ایسے بہت سے کام سامنے آئے ہیں جن پر وضاحت سے روشنی ڈالی جائے گی۔

اسی طرح کچھ لوگ تنقید نگاری کی مبادیات پر عبور حاصل کرنے سے پہلے ہی آل احمد سرور، احتشام حسین، خواجہ احمد فاروقی، نور الحسن ہاشمی، ڈاکٹر محمد حسن، مسعود حسین خاں وغیرہ کی صف اول میں شامل ہونے کے درپے ہیں۔ اس کے لیے چند نئی پرانی، بھاری بھرکم اصطلاحات و الفاظ کی آڑ لے کر بہت ڈھیر سے شاندار الفاظ اور رنگین عبارتوں کے پھولوں سے گلدستے تیار کرتے ہیں جن میں خوشبو تو ہوتی ہی نہیں ان کا رنگ بھی اڑا ہوا ہے۔ ایسی ادبی و تنقیدی کتابیں بے شمار شائع ہو رہی ہیں جن کو پورا پڑھنے کے بعد بھی اصل مقصد واضح نہیں ہوتا نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس میں کس مسئلہ یا مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ ایسے پُرجوش اہل قلم سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پہلے وہ اپنے اندر کثرت مطالعہ و تحقیق سے ایسی استعداد پیدا کریں کہ وہ اردو زبان و ادب کو کچھ دے سکیں، جو کچھ اس کے خزانے میں جمع ہو چکا ہے اس کو ادھر سے اٹھا کر ادھر رکھنے اور ان کے نئے ڈھیر لگانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ اجمالی اشارات ہیں، ان کی تفصیلات اہل علم اور باخبر اصحاب فکر و نظر کے ذہنوں میں محفوظ ہیں صرف ان کو یاد دلانا مقصود تھا تاکہ اس سلسلہ میں کوئی مفید قدم اٹھایا جائے۔ ویسے میں ان کی تفصیلات کو علمی دلائل کے ساتھ پیش کرنے کی جرأت کروں گا۔

"صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے"

بنارس کارپوریشن کے جونیر ہائی اسکولوں میں اردو تعلیم

بنارس کارپوریشن کے جونیر ہائی اسکولوں میں اردو بطور تیسری زبان کے پڑھائی جانے کے لیے جولائی ۷۲ء سے کوشش ہو رہی تھی بالآخر ۸ اپریل ۷۳ء کو کارپوریشن کی مجلس عاملہ میں و ۲۲ اگست ۷۳ء کو بورڈ میں متفقہ طور سے سہ لسانی فارمولے کے اندر تعلیم دینے کی تجویز دس یا دس سے زیادہ بچوں کی موجودگی پر منظور ہوئی جس کے لیے ہم لوگ جناب [illegible] صاحب و ممبران کے بیحد مشکور ہیں۔ اب لڑکوں کے ۱۱ جونیر ہائی اسکولوں میں سے ۹ میں اردو تعلیم ہو رہی ہے۔ لڑکیوں کے ایک اسکول میں بھی کلاس میں جو بنیاد باغ میں ہے اردو تعلیم ہو رہی ہے جہاں ۵ بچے اردو تعلیم چاہیں گے اردو کی تعلیم دی جائے گی۔

(دانا رسول سکریٹری انجمن ترقی اردو بنارس)

گل نو

مکتبہ صبح ادب بھوپال، اس نام سے نوجوان شاعر واحد پریمی کا مجموعہ کلام جلد ہی شائع کر رہا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۴ کا)

ساتھ ہوتا ہے شجاع اور دلاور بھی ہے"

اس بیان کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے ہمیں اس حقیقت کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اکثریت جب اقتدار کے نشہ میں اپنے نظریات کو اقلیت پر تھوپتی ہے اور اقلیت کا کوئی جری فرد ان سے متاثر نہیں ہوتا اور اپنے نظریات پر قائم رہنے کی کوشش کرتا ہے تو اکثریتی طبقے کے بعض تنگ نظر اس کو متعصب کے خطاب سے نوازتے ہیں لکھنؤ کے اس وقت کے حالات پر نگاہ کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ شیعیت کا وہاں بہت زور تھا اس حد تک کہ کئی معتقد اور موقر سنی خاندان وہاں جاکر شیعہ ہو گئے تھے مثال کے طور پر میں صرف دو نام پیش کرتا ہوں نواب قمرالدین خاں وزیر اعظم محمد شاہ بادشاہ دہلی سنی تھے لکھنؤ جاکر ان کے اخلاف شیعہ ہو گئے (ملاحظہ ہو ناسخ میں منشی محمد بخش شہید نے جن کا سلسلۂ نسب محمد بن ابوبکر صدیق رض تک پہنچتا ہے لکھنؤ جاکر مذہب بدل دیا (شہید کے حالات میں راقم کا مضمون چند ادبی تاریخی امر تسر اگست ۱۹۶۳ء میں ملاحظہ فرمائیں) گویا جری اور شجاع شخص تھے وہ اپنے مسلک پر قائم رہے غالباً اسی لیے اکثریت نے انھیں متعصب قرار دیا اور کریم الدین نے ان سے سن کر اس روایت کو قلم بند کر دیا، گویا کا اپنے مسلک پر قائم رہ جانا ایک ایسا واقعہ ہے جس پر عابد کو بھی تعجب ہوا چنانچہ ان کے یہ الفاظ بہت معنی خیز ہیں۔

"اس سواد میں مومنین [illegible] کی کثرت [illegible] اور حضرات شیعہ کی افراط پر اس سنی عالی مرتبہ کا وجود نادر علی مختتمات سے ہے" (گلستان صفحہ ۳)

گویا کے سامنے اس سبب سے دشواریاں بھی آئی تھیں لیکن وہ اپنی جرأت اور حوصلہ مندی سے اپنے فرائض منصبی کو نہایت مستعدی سے ادا کرتے رہے اور بادشاہ اور وزیر اعظم (معتمدالدولہ بہادر) اسی لیے ہمیشہ ان کی قدر کرتے رہے نصیرالدین حیدر کے عہد میں گویا کے پہلی بار اخراج کا ایک سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ۔

"دھنیا مہری (ملکۃ الزمانی بیگم) نے گویا سے اپنے ( ) کے باورچی خانہ کے لیے تھوڑی سی زمین بھی چاہی تھی انھوں نے نہ دی اس نے بادشاہ سے شکایت کی کر [illegible] تعصب مذہب کی بنا پر ہے بادشاہ نے بہ جبر زمین لے لی" (طوفان صفحہ ۴)

گویا کا عقیدہ ان کی تصنیفات سے بھی ظاہر ہے بستان حکمت میں انھوں نے خلفاء اربعہ کی مدح کی ہے اور اگرچہ اس زمانہ تک نعت گوئی کا عام رواج نہیں معلوم ہوتا گویا نے نعتیں بھی کہیں ایک کا مطلع یہ ہے۔

محمد سے صفت پوچھو خدا کی خدا سے پوچھیے شان محمد

(فہرست مخطوطات نمائش ادارہ تحقیقات اردو پٹنہ منعقدہ ۱۹۵۹ء نمائش صفحہ ۱)

نواب معتمدالدولہ بہادر کے متعلق بھی یہ اعتراف ضروری ہے کہ یہ خود اور ان کا خاندان بے تعصبی کی مثال معلوم ہوتا ہے، ان کے اخلاف میں نواب حیدر علی صاحب کی خدمت میں راقم کو نیاز حاصل ہے ان کی گفتگو ان کے خیالات اور عوام الناس کے ساتھ ان کے سلوک سے ان کی وسیع النظری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے (ان کا ذکر میں اپنے مضمون "کتب خانۂ نواب معین الدولہ کے مخطوطات" میں کر چکا ہوں) نواب معتمدالدولہ کے زمانہ میں گویا کو جو اقتدار حاصل ہوا محتاج بیان نہیں، اپنے ولی نعمت نواب معتمدالدولہ بہادر کی طرح گویا بھی شاعر اور شاعر نواز تھے سعادت خاں ناصر کا بیان ہے کہ وزیر، فرخ اور عاقل دونوں گویا کی سرکار میں نوکر تھے خود گویا نے ایک صحبت کا ذکر کیا ہے۔

"ایک روز بندہ اور خواجہ وزیر اور میاں فرخ شاعر کہ یہ دونوں ارشد شاگرد شیخ ناسخ صاحب کے ہیں اور چند احباب اور بھی باہم بیٹھے تھے اور اس وقت شغل انوار سہیلی کے مطالعہ کا تھا۔"

(بستان حکمت صفحہ ۶)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان محفلوں میں صرف غزل ہی نہیں سنی سنائی جاتی تھیں بلکہ مختلف علمی اور ادبی تصانیف کا مطالعہ بھی کیا جاتا تھا، مذکورہ صحبت میں احباب نے گویا سے فرمائش کی کہ وہ انوار سہیلی کا اردو میں ترجمہ کریں، احباب کو گویا کی صلاحیتوں کے متعلق جو اعتماد تھا اسے انھوں نے اس طرح صحیح کر دکھایا کہ بستان حکمت اپنی طرز نگارش اور دلچسپی کے سبب مدتوں خاص و عام میں مقبول رہی۔ اس کی تکمیل کی تاریخ ناسخ نے کہی۔

پی سال تاریخ اتمام ناسخ خود گفت بستان سیراب حکمت

(کتب خانۂ آصفیہ کے اردو مخطوطات مرتبہ ڈاکٹر نصیرالدین ہاشمی: آصفیہ صفحہ ۱/ ۳۲۸)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ گویا کے دربار میں "مداح صفحہ پاتے تھے" (طوفان صفحہ ۳۹) ان کی شاعر نوازی کے اکثر تذکرہ نویس معترف اور قائل ہیں (یادگار شعرا (اسپرنگر) صفحہ ۱۴۰ گلشن بے خار وغیرہ)

---

[1] بستان حکمت کا ایک مخطوطہ حیدرآباد میں ہے (آصفیہ ۲/ ۳۲۸) اس کا ایک حاشیہ مطبوعہ نسخہ ٹوکیو یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں بھی محفوظ ہے

GOYA MAHAMMAD KHAN.

Bustan-i Hikmat Lucknow 1923 516 p.

15cm Nawal Kishore Press (کیٹلاگ صفحہ ۲۸)

گویا کے تلمذ کے متعلق تین روایتیں ملتی ہیں۔ سرور، شیفتہ، باقر، صابر، اور اسپرنگر ان کو ناسخ کا شاگرد کہتے ہیں محسن، نادر، نساخ، ابن طوفان اور سکینہ کے قول کے مطابق یہ شاگرد رشید خواجہ وزیر "تھے"۔ کریم الدین نے درمیانی راہ اختیار کی ہے ان کا بیان ہے کہ پہلے ناسخ سے اصلاح لی ان کی وفات کے بعد وزیر کے شاگرد ہوئے۔ قاضی عبدالودود صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔

"قرینہ یہ ہے کہ ناسخ کی زندگی میں بھی وزیر سے
مشورت رہی ہو مگر باقاعدہ شاگردی کا اقرار شاید
وفات ناسخ کے بعد صورت حال بدلی تھی یا نہیں
اس کے متعلق قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے لیکن
تلمذ وزیر کی خبر دلی تک پہنچ گئی تھی۔"

(طوفان ص۳)

اس سلسلہ میں قدیم ترین راوی اعظم الدولہ سرور ہیں، جو دہلوی تذکرہ نویس ہونے کے سبب لکھنوی شعرا کے متعلق مکمل معلومات نہیں فراہم کرسکتے تھے۔ وزیر سے ان کی معلومات کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ انھوں نے صرف یہ لکھا ہے

"وزیر تخلص خواجہ وزیر نام شاعر خوش ساکن لکھنؤ"

(تذکرہ سرور ص۱۱۸)

البتہ ناسخ کے کلام کی "دلکشی" سے وہ کافی متاثر ہیں ناسخ کو لکھنؤ میں جو استادانہ حیثیت حاصل تھی اس کے پیش نظر سرور کو غلط فہمی ہوجانا قرین قیاس ہے۔ شیفتہ اور صابر جیسے دہلوی تذکرہ نویس بھی ممکن ہے کہ انھوں نے سرور کی تقلید میں گویا کو "شاگرد ناسخ" قرار دیدیا ہو۔ لیکن ابن امین اللہ طوفان جن کے والد کے ناسخ سے براہ راست تعلقات تھے جن کا ایک بھائی بھی ناسخ کے عزیز شاگردوں میں تھا، واضح الفاظ میں لکھتے ہیں:

"خواجہ وزیر وزیر تخلص .... شاگرد رشید
ناسخ واستاد فقیر محمد خاں رسالدار گویا تخلص"

(طوفان ص۸)

اور یہ تحریر ۱۲۵۵ھ کے قریب کی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ گویا کا دیوان ۱۲۴۴ھ جب مرتب ہوا اس کی تاریخ وزیر نے کہی جو وزیر اور گویا دونوں کے دواوین میں درج ہے (کلیات ناسخ میں دیوان وزیر سے متعلق قطعہ تاریخ نہیں ہے) اس واقعہ کو اگر اہمیت دی جائے تو بھی یہ بات ابن امین اللہ طوفان کی سند سے یقینی طور کہی جاسکتی ہے کہ ۱۲۴۴ھ میں (اور اس سے قبل بھی؟) گویا وزیر کے شاگرد تھے، اور اس وقت یعنی اس کے بعد تک ناسخ بقید حیات رہے۔

سید محسن علی محسن خود وزیر کے شاگرد ہونے کے مدعی ہیں، لکھنؤ کے رہنے والے تھے انھوں نے بھی گویا کو وزیر کا شاگرد قرار دیا ہے اور ناسخ سے تلمذ کا اشارہ بھی نہیں کیا۔ حسین خاں نادر بھی تلامذہ ناسخ میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں خود ناسخ کی خدمت میں عرصہ تک حاضر رہے انھوں نے بھی گویا کو ناسخ کا نہیں وزیر ہی کا شاگرد بتایا ہے۔ نساخ نے بھی محسن، نادر اور ابن طوفان کی تائید کی ہے ان کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے سراپا سخن کو بطور ماخذ استعمال کیا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نساخ نے تلامذہ ناسخ ہی کے حالات میں بعض مقامات پر محسن سے اختلاف بھی کیا ہے (دیکھو میر حسن عسکری عرش ص۲۲ وغیرہ) ان شہادتوں کے مقابلہ میں دہلوی تذکرہ نویسوں مثلاً سرور، شیفتہ، صابر وغیرہ کے قول کو سند قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن ان کی تحریروں سے غلط فہمیوں کی راہیں ضرور کھل گئی تھیں چنانچہ منشی کریم الدین نے درمیانی راہ اختیار کی حالانکہ ابن امین اللہ طوفان کی سند پر ان کے اس قول کی تردید ہوجاتی ہے کہ بعد "وفات ناسخ" وزیر کے شاگرد ہوئے۔

کہا جاسکتا ہے کہ گویا نے بستان حکمت میں کم از کم دو جگہ ناسخ "استاد" لکھا ہے (طوفان ص۳) اس سلسلہ میں یہ حقیقت بہر حال ذہن میں رکھنی چاہیے کہ گویا کے استاد وزیر بھی ناسخ کے شاگرد تھے استاد الاستاد کو استاد احتراماً کہا جاسکتا ہے، خلاصہ بحث یہ کہ گویا کا وزیر سے تلمذ یقینی ہے البتہ ناسخ سے ان کے تلمذ کے لیے قدیم تر سند تلاش کرلی جانی چاہیے۔

دیوان گویا کے متعلق سکینہ کا بیان ہے کہ "دیوان ان کے مرنے کے ایک عرصہ کے بعد مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں چھپا" (سکینہ ص۲۰) لیکن یہ صحیح نہیں قاضی صاحب فرماتے ہیں:

"دیوان گویا کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا مگر طبع
اول بہت کمیاب ہے مروجہ نسخہ مطبع نولکشور کا
ہے۔"

(طوفان ص۳)

اس سلسلہ میں حکیم قطب الدین باطن کا قول بھی قابل ذکر ہے جو دیوان گویا کے بکثرت مطالعہ کے مدعی ہیں۔ ابن امین اللہ طوفان بھی گویا کو "صاحب دیوان" کہتے ہیں (طوفان ص۸) عجب ہے کہ گویا کا دیوان ۱۲۴۴ھ (سال ترتیب) کے بعد چھپ گیا ہوگا۔

گویا نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، غزلوں کے علاوہ مخمس لکھے اور قصیدے بھی لکھے۔ قدیم کتابوں میں ان کے کچھ قطعوں کا (نمائش ص۸۸) ایک قصیدہ کے یہ

اشعار قابل لحاظ ہیں جو نصیر الدین حیدر بادشاہ کی مدح میں ہے۔

وہ کس طرح نہ سمجھا شاعروں میں ممتاز
کہ جس کے شعر میں اصلاح شاہ دوراں ہو
ہر ایک شعر مرا بن گیا ہے سلک گہر
کہ کلک شہ دم اصلاح گوہر افشاں ہو

(طوفان صفحہ)

معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے کسی موقع پر ازراہ شفقت ان کے کلام پر اصلاح دیدی ہوگی۔ ان کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے بادشاہ کے کسی اور شخص کو اصلاح دینے کا ذکر نہیں مل سکا۔

گویا اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے (صبح گلشن، نمایش صفحہ) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی، ترکی اور پشتو کے بھی ماہر تھے لیکن اس کے لیے کوئی مستند شہادت نہیں مل سکی۔ اردو شاعری کا نمونہ یہ ہے۔

کان میں بالا گلے میں طوق اور زنجیر ہے
کیا پری جن سعید کی کھینچی تصویر ہے

(طوفان صفحہ)

نا قدر تھا کہ کچھ نہ وہ سمجھا بجائے دل
اس غم سے ہے زبان پہ میری کہ ہائے دل
اللہ درد عشق نے کیا کیا ہے تنگ
دل میں نہ جائے غم ہے نہ جا میں سمائے دل

(نادر صفحہ ۳۳)

آخری شعر کا انداز بہت دل گداز ہے خصوصاً لفظ "اللہ" کی بندش بہت خوب ہے۔

رانچی یونیورسٹی میں جگن ناتھ آزاد کی آمد

اردو کے مشہور و معروف شاعر جناب جگن ناتھ آزاد ۲۰،۲۱ ستمبر ۱۹۹۴ء کو بزم ادب اور ساہتیہ پریشد رانچی کالج کی مشترکہ دعوت پر رانچی یونیورسٹی تشریف لائے۔ اس موقع پر یونیورسٹی ہال میں ان کے اعزاز میں ایک خصوصی جلسہ ہوا جس میں یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے اساتذہ اور طلباء و طالبات نے خاصی تعداد میں شرکت کی۔ شری گنیشور لال لکچرر شعبۂ ہندی نے حاضرین سے موصوف کا تعارف کرایا اور ان کی تشریف آوری پر انھیں مبارکباد پیش کیا۔ جناب جگن ناتھ آزاد نے اس موقع پر ایک نہایت بصیرت افروز تقریر فرمائی جس میں انھوں نے اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے ادیبوں کو ایک دوسرے سے قریب آنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اس وقت ملک میں قومی یکجہتی کی فضا پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے اس سلسلے میں اردو اور ہندی کے ادیبوں کی مشترکہ کوششیں کافی مفید ثابت ہوں گی۔ انھوں نے اس امر پر بھی زور دیا کہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ایک دوسرے کا لٹریچر منتقل ہونا چاہیے۔ ہندی میں یہ کام بڑی تیزی سے ہو رہا ہے، اردو میں نہیں۔ موصوف نے اردو کے ساتھ آج جو سلوک ہو رہا ہے اس پر اظہار افسوس کیا اور ہندی دوستوں سے خاص طور پر اپیل کی کہ وہ اردو کو اسی دیس کی زبان سمجھیں اور اس کے ساتھ فراخدلانہ سلوک کریں۔ موصوف نے اپنی چند ایک نظمیں اور غزلیں بھی سنائیں جن میں ان کی نظمیں "ماتم نہرو" اور "تری بزم طرب میں سوز پنہاں لے کے آیا ہوں" جو تقسیم ہند اور سنہ ۴۷ء کے فسادات کے پس منظر میں لکھی گئی ہے اور کافی مقبول ہے، اپنی دلگدازی کی وجہ سے کافی پسند کی گئی۔

آخر میں جناب ابوذر عثمانی لکچرر شعبۂ اردو و فارسی نے موصوف کی شخصیت اور شاعری پر مختصراً اظہار خیال کیا اور یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلباء و طالبات کی جانب سے ان کا شکریہ ادا کیا۔

(قدوس جاوید، سکریٹری بزم ادب رانچی کالج)

مضمون نگاری کا آل انڈیا مقابلہ

انجمن ادب اطفال لکھنؤ (رجسٹرڈ) کے تحت ۸ سے ۱۶ برس تک کی عمر کے بچے اور بچیوں کے لیے مضمون نگاری کا ایک آل انڈیا مقابلہ بعنوان "چاچا نہرو کا بچپن" ہونا طے پایا ہے جس میں اول، دوم اور سوم آنے والے مضامین پر انعامات انجمن کے سالانہ جلسہ میں دیئے جائیں گے۔ مضامین اردو، ہندی یا انگریزی میں ۱۵ رجنوری تک سعادت علی صدیقی ادبی سکریٹری انجمن ادب اطفال کوٹھی حیدر حسین امین آباد لکھنؤ کے پاس پہونچ جانا چاہییں۔ مختصر مضامین کو ترجیح دی جائے گی۔

مزید تفصیلات روزانہ ۵ سے ۷ بجے شام تک انجمن کے دفتر سے یا بذریعہ ڈاک ادبی سکریٹری سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

(سید محمد الفان، سکریٹری نشر و اشاعت و آفس انچارج)

مالیر کوٹلہ میں انجمن ترقی اردو کی شاخ کا قیام

۱۰ر دسمبر ۱۹۵۴ء بروز اتوار اسلامیہ ہائی اسکول مالیر کوٹلہ [illegible] ہمدردان اردو کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں انجمن [illegible] اردو کی شاخ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اتفاق رائے سے [illegible] کے عہدہ داران کا انتخاب عمل میں آیا۔

صدر: جناب پرنسپل بدری ناتھ صاحب چوپڑہ ایم
اے بی۔ ای۔ ایس (ریٹائرڈ)

نائبین صدر: (۱) جناب جان محمد صاحب جانؔ
(۲) ” صاحبزادہ انوار محمد خاں صاحب خستہ

سکریٹری: محمد کفایت اللہ بی۔ اے۔ بی ایڈ (علیگ)
(ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول)

اسسٹنٹ سکریٹری: جناب نور محمد صاحب فاروقی ایم اے (علیگ)

پروپیگنڈا سکریٹری: جناب شوکت نرودش، بی۔ اے۔
جے ڈی جونلٹ

خازن: جناب شام لال صاحب گوئل

ممبران ایگزیکیٹو کمیٹی: (۱) جناب پروفیسر محمد علی صاحب
حبشی ایم۔ اے
(۲) جناب گوردیو سنگھ صاحب آگن
(ایڈیٹر پنجابی ہفت روزہ دیگ تیغ)
(۳) جناب عبدالرشید صاحب [illegible]
قریشی بی۔ اے
(۴) جناب [illegible] عثمانی (ریٹائرڈ
ڈپٹی سکریٹری)

عثمانیہ یونیورسٹی اردو فورم

عثمانیہ یونیورسٹی اردو فورم کا ماہانہ اجلاس ۲ر جنوری یکشنبہ [illegible] روز ساڑھے دس بجے نظام کالج میں منعقد ہوا۔ پروفیسر سید [illegible] نے اجلاس کی صدارت کی۔ جناب اکبر الدین صدیقی نے مصحفی [illegible] شفیق کے غیر مطبوعہ تذکرہ "شام غریباں" پر مقالہ پڑھا۔ شفیق [illegible] اس تذکرہ میں ان شعراء کے حالات درج ہیں جو ایران سے [illegible] ترک وطن کر کے ہندوستان چلے آئے تھے اور یہیں کے ہو رہے [illegible] "شام غریباں" کے صرف تین مخطوطے ابھی تک دریافت ہو سکے ہیں [illegible] علی گڑھ، لاہور، اور حیدرآباد کے کتب خانوں میں پائے جاتے [illegible] پروفیسر عبدالمجید صدیقی، پروفیسر سید محمد، مسٹر مغنی تبسم اور [illegible] خالدہ یوسف نے مباحث میں حصہ لیا۔

(ڈاکٹر) غلام عمر خاں (سکریٹری)

حمیدیہ کالج بھوپال میں اردو مجلس کا قیام

بھوپال کے حمیدیہ کالج میں اردو کے پوسٹ گریجویٹ طلباء نے ڈاکٹر گیان چند جین کی سرپرستی میں "اردو مجلس" کے نام سے ایک ادبی تنظیم قائم کی ہے جس میں مختلف ادبی مسائل اور موضوعات پر طلباء اور شعبہ اردو کے اساتذہ یکجا ہو کر اظہار خیال کیا کریں گے۔ "اردو مجلس" ابھی تک اپنے دو جلسے کر چکی ہے جن میں "غزل اور آج کے تقاضے" اور "ادب اور سماج" پر آزادانہ طور پر طلباء اور اساتذہ نے اظہار خیال کیا۔ یہ دونوں جلسے ڈاکٹر گیان چند جین کی صدارت میں ہوئے اور ان میں ہونے والی بحث میں طلباء کے علاوہ آفاق احمد لیکچرر شعبہ اردو اور حنیف نقوی (ریسرچ اسکالر) نے بھی حصہ لیا۔ تعلیمی ادبی حلقوں میں "اردو مجلس" کے قیام کا پرتپاک خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔

(مسعود قمر تاباں)

انجمن پٹیالہ کی سرگرمیاں

یوم غالب

۲۴ر دسمبر ۱۹۵۴ء کو انجمن ترقی اردو پٹیالہ کے زیر اہتمام بڑی دھوم سے یوم غالب منایا گیا۔ اور شام کو آل انڈیا مشاعرہ زیر صدارت شری آر۔ ایس مہتہ۔ انکم ٹیکس کمشنر پنجاب، ہماچل پردیش غیر معمولی سرگرمی سے منعقد ہوا، جس میں حضرت مولانا کمال مالیر کوٹوی صاحب اور مولانا آبر احسنی گنوری۔ جناب نسیم نورمحلی، ساحر سیالکوٹی، نریش کمار شاد، عرش ملسیانی صاحبان نے انجمن کی دعوت پر شرکت فرمائی۔ ان کے علاوہ مقامی شعراء جناب بیدار صاحب، مشاق صاحب جگر جالندھری، زار انبالوی، ساغر سنقانی، ساحر سنامی صاحب، عاجز شملوی، سردار ہربنس سنگھ صاحب تیغ صدر انجمن طالب صاحب سکریٹری ناز، سوز، راحت، جوش، دیوانہ، شباب، حسرت، اختر، ہیرا، صاحبان نے رونق بخشی۔ شدت سردی کے باوجود مشاعرہ پانچ بجے پوری کامیابی سے ختم ہوا۔

اعزازی ادبی نشست

۲۵ر دسمبر کو ۲ بجے دوپہر جناب ہربنس سنگھ صاحب تیغ صدر انجمن ترقی اردو پٹیالہ کے ایما پر مولانا مالیر کوٹوی اور جناب ساحر سیالکوٹی کے اعزاز میں ایک غیر معمولی ادبی نشست منعقد ہوئی جس میں مقامی شعراء پروفیسر کرپال سنگھ بیدار، جناب عاجز شملوی، جناب جگر جالندھری، جناب ساغر سنقانی، جناب جوش پٹیالوی، جناب سوز نسرین، جناب جوہر، جناب ناز، اور جناب طور جو خوش قسمتی سے چند ہی گھنٹوں سے یہاں تشریف لائے

ہوئے تھے۔ کے علاوہ معززین شہر نے ذوق شوق سے حصہ لیا اور حاضرین کے اصرار پر موکن کمال اور ساحر سیالکوٹی صاحب نے بار بار اپنا کلام پڑھا جس سے اہالیانِ بزم بے انتہا محظوظ ہوئے۔ یہ نشست ۳½ گھنٹے تک گرم رہی اور اختتام صاحب صدر جناب ہربنس سنگھ صاحب تیغ کی طرف سے دی گئی پرتکلف چائے پارٹی اور ان کی تقریر سے ہوا جس میں انھوں نے جملہ حضرات اور خاص طور پر بیرون جات سے شرکت فرمانے والے شعرا حضرات کا شکریہ ادا کیا۔

ماہانہ نشست

پٹیالہ ۳۰ دسمبر ۱۹۶۴ء کو انجمن ترقی اردو پٹیالہ کی ماہانہ نشست زیر صدارت جناب ہربنس سنگھ صاحب تیغ سپرنٹنڈنٹ بینک کمشنر پٹیالہ اسٹیٹ بینک آف پٹیالہ میں منعقد ہوئی جس میں للن کمال، ماہر کوٹوی، دوست بخش کپور شملوی، عاجز شملوی اور تمام اراکین انجمن کے علاوہ اہل ذوق اور معززین شہر نے بھرپور حصہ لے کر اردو سے ہمدردی کا ثبوت دیا۔ مشاعرہ ۷½ بجے سے شروع ہو کر دس بجے شب پوری کامیابی سے ختم ہوا اور بزم آخری دم تک جمی رہی کسی صاحب نے اٹھ کر جانے کی تکلیف نہیں فرمائی حاضرین نے اردو سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔ (مہیش پٹیالوی)

پنجاب کے دار الخلافہ میں اردو سرگرمیاں

پنجاب کے صوبائی دار الخلافہ چنڈی گڑھ کے محبانِ اردو کا ایک جلسہ چند روز قبل سردار دلی جنگ سنگھ جوہر صاحب ڈپٹی سیکرٹری پنجاب ودھان سبھا کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں اردو کے فلاح و تحفظ پر غور و خوض کیا گیا۔ نیز جے پور اردو کانفرنس کی کارروائی اور کانفرنس میں پاس ہوئی اردو سے متعلق قرارداد کی تصدیق و تائید کے علاوہ فیصلہ کیا گیا کہ پنجاب میں اردو کے بقاء و تحفظ کے لیے منظم و سرگرم کوشش کی جائے پنجاب کے جملہ اردو دوستوں کو متحرک کیا جائے اور چنڈی گڑھ میں انجمن ترقی اردو کی شاخ کا قیام عمل میں لایا جائے۔ پنجاب میں اردو کی تحریک کو منظم اور مقامی شاخ قائم کرنے کے لیے سورج تنویر اور جناب روشن پٹیالوی کو کنوینر منتخب کیا گیا۔ اور تجویز کیا گیا کہ دونوں کنوینر چند سرکردہ اصحاب کو ہمراہ لے کر پنجاب کے گورنر، وزرا صاحبان اور متعلقہ حکام سے ملاقات کر کے اردو سے متعلق ضروری تجاویز ان کی خدمت میں پیش کریں۔ علاوہ ازیں محترم گورنر صاحب محترم وزیر اعظم صاحب اور محترم چیف پارلیمنٹری سیکرٹری صاحب سے خاص طور پر گزارش کی جائے کہ وہ انجمن ترقی اردو کی سرپرستی قبول فرمائیں۔

انجمن ترقی اردو کی مقامی شاخ کے لیے ممبر سازی شروع کر دی گئی ہے۔ کنوینروں نے متذکرہ بالا اجلاس کے بعد مختصر سے عرصہ میں تین مزید میٹنگیں بلائی ہیں جن کی صدارت علی الترتیب جناب گنگا دھر تسنیم ایم۔ اے جناب جگدیش چند صاحب انڈر سیکرٹری اور سردار کلدیپ سنگھ صاحب پریم نے فرمائی۔ ممبر سازی کی رفتار بہت حوصلہ افزا ہے۔ ان میٹنگوں میں بیرون جات سے بھی پرستارانِ اردو نے شرکت فرمائی شریک ہونے والوں میں سے چند قابل ذکر اصحاب کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

جناب میجر خیر جنگ سنگھ جوہر صاحب۔ جناب چیاند پرتاپ رینہ صاحب سابق ڈپٹی کمشنر جناب بیاں صاحب پی۔ سی۔ ایس، جناب زبیر سنگھ صاحب اختر ایڈیٹر ماہنامہ پاسبان، پروفیسر آر۔ ڈی ضیا صاحب، پروفیسر صوبا سنگھ صاحب۔ شری دیویندر سنگھ دویا رتنی ایم۔ اے۔ جناب شیر فتح پوری، سردار ہربنس سنگھ تیغ۔ سردار بلبیر سنگھ بی ایم۔ اے، جناب منوہن شرما، پروفیسر نرنکن، جناب کرشن کمار طور، جناب چاند پرکاش قمر، جناب الیس تصور، جناب رشی پٹیالوی۔ جناب وید پرکاش شرما، کے کے گوئل صاحب پی۔ سی۔ ایس۔ بابا کرشن گوپال صاحب مغموم بی۔ اے۔ جناب پرکاش ناتھ صاحب ایم۔ اے۔ اور بہت سے (سورج تنویر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند۔ علی گڑھ۔ پرنٹر نصیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا